ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

''محمد منشایاد بحثیت خاکہ نگار'' ایک تجزیاتی مطالعہ

Dr. Munawar Amin,
Assistant Professor
Department of Urdu, Institute of Southern Punjab, Multan
drmunawaramin143@gmail.com
Muhammad Ashraf,
Lecturer of Urdu
Department of Urdu, Emerson University, Multan
ashrafmalik8033@gmail.com
Dr. Imtiaz Hussain
Professor of Urdu
Department of Urdu, Emerson University, Multan
dr.imtiazhussain65@gmail.com
Munir Ahmad
PhD Scholar, Department of Urdu, BZU Multan
munirahmad31000@gmail.com

Abstract: Muhammad Mansha Yaad is a well-known personality of Urdu Fiction. He writes Urdu Short Stories at the very start of his literary career. His prose writing consists, Urdu and Punjabi short stories, novel, drama, sketch memories and essays. His short stories are fall of meaningfulness, perfection and ever changing socio-political condition. He wrote his first short story in 1955 when he was hardly seventeen or eighteen year old. Muhammad Mansha Yaad's sketches not only satisfy literary mind but covers all over personality aspects also. These sketches base on his personal experiences. The style of his sketches is clear and attractive. The following article present a comprehensive view of the topic mention above.

Keywords: Mansha Yaad , Sketch writer, Attractive Style, Personality aspects.

محمد منشایاد ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ضلع شیخوپور کے قصبہ ٹھٹھہ نسترمیں پیدا ہوئے۔اور 10 اکتوبر 2011 میں وفات ہوئی۔ میٹرک کے بعد منشایاد نے گورنمنٹ سکول آف انجینئرنگ سے سول انجینئر کا ڈپلومہ حاصل کیا 1960ء میں CDA سے منسلک ہوئے۔ ساٹھ سال کی عمر میں CDA سے ہی ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ منشایاد نے ملازمت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر کیا۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے شمع لاہور میں ان کا پہلا افسانہ "کنول" چھپا۔ لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو یکے بعد دیگرے ۹ افسانوی مجموعے (۱۹۷۸ء سے ۲۰۱۰ء تک) ایک پنجابی ناول "ٹاواں ٹاواں تارا" (۱۹۹۷ء) پنجابی افسانوی مجموعہ وگدا پانی ۱۹۸۷ء میں سامنے آیا۔ اردو ناول "راہیں" ۲۰۱۲ء میں، خودنوشت "بزم جہاں افسانہ ہے" ۲۰۲۱ء میں ان کی وفات کے بعد منظرِ عام پر آئیں۔ جب کہ ان کے مقبول اردو ٹی وی ڈراموں میں "جنوں"، "بندھن"، "راہیں"، "پورے چاند کی رات"، "آواز"، "کچے پکے رنگ"، "ذرا نم ہو تو" اور "رنگ وفا" شامل ہیں۔ ان کے ڈرامے "راہیں" جو پنجابی ناول "ٹاواں ٹاواں تارہ" سے ماخوذ تھا کو سال بھر کے بہترین سیریل کا پی ٹی وی نیشنل ایوارڈ دیا گیا۔ بعد میں اسی کہانی کو اردو ناول "راہیں" کی صورت میں لکھا۔ بقول محمد حمید شاہد:

"ایک ایسا ناول جس میں منشایاد نے دیہی زندگی کے بھرپور اظہار کے لیے کرداروں کا ایک میلہ سا لگا رکھا ہے۔" [۱]

حلقہ ارباب ذوق کے افتتاحی اجلاس (۱۹۷۲ء) کے بعد آٹھ برس تک منشایاد بطور سیکریٹری خدمات سرانجام دیتے رہے۔ حلقے سے وابستگی زندگی کے آخری دن تک قائم رہی۔ رشید امجد لکھتے ہیں:

"منشا اسلام آباد کی ادبی سرگرمیوں کی جان تھا۔۔۔ لکھنے والوں کی "انجمن" اور حلقہ کے علاوہ اس نے اسلام آباد میں "بزم کتاب" کی بنیاد بھی رکھی۔۔۔ اسلام آباد کے حلقہ میں بھی وہ مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یوں کہہ لیں وہ خود ہی حلقہ تھا تو کچھ غلط نہ ہوگا۔" [۲]

منشایادار دوادب کا ایک معتبر نام ہے۔ اور ان کی شہرت کا بنیادی حوالہ افسانہ نگاری ہے۔ منشایاد متحرک شخصیت کے مالک تھے۔ وہ صرف افسانہ نگاری تک محدود نہیں رہے بلکہ اردو ادب کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور خوب داد و تحسین سمیٹی اور اس میں وہ کامیاب بھی رہے۔ آپ افسانہ نگاری، ناول نگاری، کالم نگاری، مضمون نویسی، تجزیہ و جائزہ اور خاکہ نگاری میں اپنا ایک الگ اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اپنے کیریئر کے اعتبار سے سول انجینئر تھے۔ افسانہ نگاری سے شہرت پانے والے افسانہ نگار نے اپنے منفرد اسلوب سے ناول، ڈرامہ، کالم اور خاکہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان کے جائزوں، مضامین اور خاکوں پر مشتمل کتاب "منشایئے" ۲۰۱۱ء میں مقبول اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اپنی منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں منشایاد نے جہاں دوسرے مضامین شامل کیے ہیں وہیں ہم عصر ادیبوں پر خاکے اور ان کی کتابوں پر تاثراتی جائزے بھی شامل کیے ہیں۔ یہ مجموعہ ان کی وفات سے چند ماہ پہلے شائع ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اس کتاب میں شامل مضامین تنقیدی کم اور تاثراتی زیادہ ہیں۔ میں نے جس کتاب، تحریر یا شخصیت سے جو تاثر لیا، اس کے بارے میں جو محسوس کیا اسے اپنے مخصوص انداز میں جسے آپ شگفتہ بھی کہہ سکتے ہیں، بیان کر دیا۔ میں نے اسی شگفتہ بیانی کو منشایئے کا نام دیا ہے۔ " [۳]

اس مجموعے میں جہاں انہوں نے کسی کتاب کا جائزہ لیا وہاں اس کے مصنف کی شخصیت کو بھی نمایاں کر دیا ہے اور اس طرح جائزہ لیا ہے کہ اس شخصیت کی ادبی قدر و قامت کو بھی پیش کر دیا ہے۔ اپنے مخصوص شگفتہ و سادہ انداز کی بدولت، بغیر کسی مبالغے، خوشامد اور بلاجواز تعریف کے تحریر کر دیا ہے۔ مضامین، جائزوں اور خاکوں پر مشتمل یہ مجموعہ قاری کو ادب سے دور نہیں بلکہ مطالعے کی ترغیب مہیا کرتا ہے۔ اس مجموعے کے پہلے باب کا عنوان بھی "منشایئے" ہی ہے۔ جس میں دس مضامین شامل ہیں جو اپنی جگہ انفرادیت کے حامل ہیں۔ اس باب کے پہلے مضمون کا عنوان حسبِ منشا ہے۔ جو انہوں نے ایک تقریب کے شائع شدہ پروگرام "حسبِ منشا دیکھئے کیا کہتے ہیں" کے مطابق پڑھا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے زیادہ تر وہی باتیں دہرائی ہیں جو ان کی کتابوں کے دیباچوں یا تصنیف خود نوشت "بزم جہاں افسانہ ہے" کے تحت آئی ہیں۔ اس میں انہوں نے اپنی کہانی کہنے اور لکھنے کی داستان کے ساتھ ساتھ اپنی ابتدائی شاعری کا حوالہ بھی دیا ہے۔ بچوں کے رسائل میں چھپنے والی کہانیوں اور نظموں سے اقتباس بھی مضمون کا حصہ ہیں۔ اس میں انھوں نے اپنے ادبی سفر کی ابتداء سے شہرت کی بلندیوں تک کی دلچسپ یادوں کو شگفتہ انداز میں بیان کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "شروع میں تو ایک عرصہ تک افسانوں کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ میں نے اردو اور پنجابی میں سو دو سو غزلیں، نظمیں بھی لکھیں۔ ریڈیو کے لیے گیت اور ترانے بھی لکھے۔ دو چار ریکارڈ اور نشر بھی ہوئے۔ لیکن پھر شاعری مجھ سے چھوٹ گئی بلکہ میں نے خود اسے چھوڑ دیا۔ ایک تو اس لیے کہ وقار بن الٰہی پیچھے پڑے رہتے تھے کہ جتنے سوراخ ہوں گے تخلیق کا گڑھا اتنی ہی جلدی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

خالی ہو جائے گا۔ دوسرے ادبی رسالوں میں جب اس قسم کے اعلانات پڑھے کہ ہمیں فی الحال مزید نظمیں، غزلیں نہ بھجوائی جائیں، ہمارے پاس شعری سرمایہ بہت جمع ہو گیا ہے۔ ہمیں نثری تخلیقات کی ضرورت ہے تو شاعری کی بے توقیری کا اندازہ ہوا۔"[٤]

اس حصے کا دوسرا اور تیسرا مضمون اپنے بھانجے خلیق الرحمٰن کی شاعری کی کتابوں "کنول جھیل کا گیت" اور "دامنِ کوہ میں شام" کی تقریب رونمائی میں پڑھے گئے۔ پہلی کتاب کی تقریب جو ۲۰۰۳ء اسلام آباد میں منعقد کی گئی تھی اس تقریب میں خلیق کی والدہ موجود تھیں جبکہ ۲۰۰۶ء میں منعقد ہونے والی دوسری کتاب کی تقریب کے وقت خلیق کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔ اس تقریب میں منشایاد نے اپنا مضمون "عالم خیال میں مکالمہ" پڑھا جس نے تقریب میں ایک سماء باندھ دیا تھا۔ اس سے اگلے دو مضمون "بعض کام بعضوں کو نہیں آتے" اور "اداسی" انشائیہ کی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ "اردو ادب میں طنز و مزاح" یہ مضمون شگفتہ اور معلوماتی انداز میں اردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ جو مارچ ۲۰۱۰ء میں منعقدہ سہ روزہ الحمرا عالمی ادبی و ثقافتی کانفرنس لاہور میں پہلی بار پڑھا گیا تھا۔ لکھتے ہیں:

"جہاں تک اردو ادب میں طنز و مزاح کے مستقبل کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کا تعلق ملک کی سلامتی اور ترقی سے ہے اور ملک کی سلامتی اور ترقی انصاف اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، نظامِ حکومت اور طرزِ حکمرانی پر ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کے تالاب کو گندا کرنے والے لدھروں کی تعداد بڑھتی رہے اور ان کا احتساب بھی اسی طرح ہوتا رہے جیسے روسی ادیب "ایوان کریلوف" کے درج ذیل ایک طنزپارے (ترجمہ مظفر علی سید) میں بتایا گیا ہے تو پھر ملک اور معاشرے کا اللہ ہی حافظ ہوتا ہے۔" [٥]

"اسلام آباد سے چولستان تک" کے عنوان سے مضمون ۱۹۸۵ میں ء میں اختیار کیے گئے اس سفر کی روداد شامل ہے۔ جو منشایاد نے بہاولپور میں منعقد ہونے والی شام افسانہ کی تقریب میں شرکت کیلئے اختیار کیا تھا۔ 'تلاشِ بہاراں" کی خالق جمیلہ ہاشمی اس تقریب کی میزبان تھیں۔ چین کے سولہ مقتدر اور معروف ادیبوں کے مضامین اور سفر ناموں پر مشتمل کتاب "سفر دوستی کا" تاثرات پر مبنی مضمون بھی شاملِ کتاب ہے۔ "اے غفار پاشا کے نام-ایک خط" کے عنوان سے انشائیہ کی گولڈن جوبلی منانے کی کامیابی پر شگفتہ انداز میں تبصرے کے ساتھ افسانے کی گولڈن جوبلی منانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اس حصے کا آخری مضمون "منٹو کے نام" ایک خط کی صورت میں ہے جو ۱۰ فروری ۲۰۰۸ء کو منعقدہ سیمینار "منٹو-ہمارا ہم عصر" میں پڑھا گیا۔ منشایاد کا یہ مضمون بے حد پسند کیا گیا۔ اس میں انہوں نے اپنے موضوع کے علاوہ مشرف حکومت اور جمہوریت کے حوالے سے تخلیقی جملے لکھ کر حاضرین کا دل جیت لیا تھا۔

"یادرفتگاں" کے عنوان سے اس باب میں ۷ مضامین شامل ہیں جو زیادہ تر تعزیتی جلسوں اور ریفرنسوں میں پڑھے گئے۔ پہلا مضمون افسانہ نگار "ممتاز مفتی" پر ہے جو ان کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کے فن پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ یہی مضمون ممتاز مفتی کے منتخب افسانوں پر مشتمل کتاب "ممتاز افسانے" کے دیباچے کے طور پر بھی آیا ہے۔ "اردو فکشن کی ٹیڑھی لکیر" کے عنوان سے برصغیر پاک و ہند کی عظیم افسانہ، ناول نگار عصمت چغتائی کی اسلام آباد آمد اور حلقہ اربابِ ذوق کے زیرِ اہتمام ۱۹ اکتوبر بروز منگل ۱۹۸۶ء کو منعقدہ خصوصی نشست کا احوال نہایت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ "آپ کا ضمیر" کے عنوان سے سید ضمیر جعفری کی شخصیت، شاعری، مزاح نگاری اور ان کے ساتھ گزری رفاقتوں پر سیر حاصل گفتگو کے ساتھ ساتھ ان کی مزاحیہ تحریروں سے اقتباسات بھی شاملِ مضمون ہیں۔ "ادب کا منگلا ڈیم" کے عنوان سے احمد ندیم قاسمی کی شخصیت پر ایک شاندار مضمون ہے۔ "شہاب نامہ کی نثر" کے عنوان سے افسانہ نگار قدرت اللہ شہاب کی خودنوشت "شہاب نامہ" پر ایک سیر حاصل تبصرہ بیان ہوا ہے۔ جسے پڑھ کر قارئین کو شہاب نامہ پڑھنے کی ترغیب ملتی ہے۔ "جوگی اتر پہاڑوں آیا" لطیف کاشمیری کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر بڑے جامع انداز میں تبصرے کے ساتھ ساتھ ان کے فنِ افسانہ نگاری پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی کتابوں "زعفران کے پھول" اور "خیابانِ مری" کا تعارف بھی بیان

ہوا ہے۔ "محبت کی مخمس" کے عنوان سے مضمون میں اعجاز راہی کی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر، افسانہ و ناول نگار اور نقاد و محقق کی حیثیت سے ان کے ادبی قد کاٹھ کے تعین کے ساتھ ان کی کتابوں کا ذکر بھی تفصیل سے ہوا ہے۔ افسانہ نگار رشید امجد کے ساتھ اعجاز راہی کے تعلق پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے اور ان کی وفات کے بعد ان کی زیرِ طبع کتابوں کا ذکر بھی موجود ہے۔

"خاکے اور جائزے" کے عنوان سے ادب سے تعلق رکھنے والی گیارہ شخصیات کے خاکے اور ان کے فن پر جائزے پیش کئے ہیں۔ ان تحریروں کی خاص بات یہ ہے کہ منشایاد نے ایک شخصیت پر لکھتے ہوئے اپنے تاثرات کے ساتھ ساتھ اس شخصیت پر لکھے ہوئے دوسرے لوگوں کے تاثرات بھی شاملِ مضمون کر لئے ہیں۔ منشایاد کے حلقۂ احباب میں ہر قسم اور مزاج کے لوگ شامل تھے وہ کشادہ دل اور کثیر الاحباب شخص تھا۔ وہ اپنی اس خاصیت پر بجا طور پر فخر کرتا تھا۔ کتابوں، آدمیوں اور دوستوں کے بارے میں اس کا رویہ ہمیشہ مثبت اور محبت کا رہا ہے۔ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ کتاب اور اس میں شامل مضمون ہیں۔ منشایاد، خاکہ نویسی میں بھی اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔ اُردو ادب کی باقی اصناف کی طرح خاکہ نویسی بھی محبوب صنف ہے۔ عبدالعزیز بلوچ لکھتے ہیں:

> "شخصیت نگاری یا خاکہ نگاری دریا کو کوزے میں بند کرنے کا نام ہے۔ یہ بڑا مشکل فن ہے ہر شخص کے بس کا روگ نہیں، اس کوچے میں وہی شخص قدم رکھ سکتا ہے جسے کتابوں کی بجائے انسانوں کے مطالعے کا فن آتا ہو جو اس شخصیت کی جلوت و خلوت سے آگاہ ہو۔ اس کی عظمتوں اور لغزشوں سے واقف ہو کر اسے ایک کردار کے طور پر قبول کرے۔ خاکہ نگاری نہ "مدلل مداحی" کی اجازت دیتی ہے اور نہ ہی حقیقت نگاری کے پردے میں "برہنگی" کی کیونکہ انسان نہ تو مکمل فرشتہ ہے اور نہ مکمل شیطان، وہ خیر و شر کے درمیان کی چیز ہے۔ خوبیوں اور خامیوں سے مل کر انسان کی شخصیت تکمیل پاتی ہے۔" [٦]

محمد طفیل نقوش والے کچھ یوں لکھتے ہیں:

> "خاکہ نگاری خدائی حدود میں قدم رکھنے کے مترادف ہے یعنی جو کچھ آپ کو خدا نے بنایا ہو، اُس کے عین مین اظہار کا نام خاکہ نگاری ہے۔" [٧]

خاکہ نگاری کی پہلی شعوری کوشش ہمیں محمد حسین آزاد کی مشہور کتاب "آبِ حیات" میں نظر آتی ہے۔ مگر اردو کے پہلے باقاعدہ خاکہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں جنہوں نے "نذیر احمد کی کہانی کچھ اُن کی کچھ میری زبانی" کے عنوان سے اپنے استادِ محترم ڈپٹی نذیر احمد کا خاکہ لکھا۔ علاوہ ازیں "ایک وصیّت کی تعمیل" اور "دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ" ان کے ناقابلِ فراموش خاکے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی خاکوں پر مشتمل دو کتابوں "گنج ہائے گراں مایہ" اور "ہم نفسانِ رفتہ" مولانا چراغ حسن حسرت کی "مردمِ دیدہ" مولانا عبدالحمید سالک کی "یارانِ کہن" عبدالسلام خورشید کی "وے صورتیں الٰہی" جگن ناتھ آزاد کی "آنکھیں ترستیاں ہیں" احمد بشیر کی "جو ملے تھے راستے میں" رئیس احمد جعفری کی "دید و شنید" شاہد احمد دہلوی کی "گنجینۂ گوہر" سعادت حسن منٹو کی "گنج فرشتے" اور "لاؤڈ سپیکر" اور ممتاز مفتی کی "اوکھے لوگ" کو اہم درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح عصمت چغتائی "دوزخی" لکھتی ہیں تو خاکہ نویسی "قصیدہ در مدح" قسم کی چیز سے نکل کر نئے رنگ سے سامنے آتی ہے۔ خواجہ حسن نظامی کا نام آتا ہے تو انہوں نے انسان تو رہے ایک طرف لالٹین، گلاب کا پھول، مچھر، جھینگر اور رات کا شہباز یعنی اُلو کے بھی خاکے تحریر کیے۔ محمد طفیل کو خاکہ نگاری سے جو شغف رہا ہے "نقوش" کے دو ضخیم شخصیات نمبر اس کا واضح ثبوت ہیں، ان کے علاوہ ان کی چھے کتب بھی "صاحب"، "جناب"، "آپ"، "محترم"، "مکرم" اور "معظم" ہیں۔ "محبّی" محمد طفیل کا ساتواں مجموعہ ہے۔ اُردو میں کوئی دوسرا لکھنے والا اب تک نہیں گزرا جس نے محض خاکے لکھے ہوں اور اتنی

بڑی تعداد میں لکھے ہوں۔ خاکہ نگاری کا تذکرہ اس وقت نامکمل ہوتا ہے جب تک مولوی عبدالحق کی خاکوں پر مبنی کتاب "چند ہم عصر" کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس کتاب کو خاکہ نویسی کی صنف میں بڑا اونچا مرتبہ حاصل ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق " چند ہم عصر" میں جہاں اپنے زمانے کی چند معروف ہستیوں کے خاکے تحریر کیے ہیں وہیں نور خان اور نام دیو مالی جیسے معمولی اور غیر معروف انسانوں کو عظمتِ کردار کے باعث زندہ جاوید کر دیا ہے۔ نئے لکھنے والوں میں ڈاکٹر علی محمد خان کی کتاب "اب انہیں ڈھونڈ" بھی قابل ذکر ہے۔ منشا یاد خاکہ نویسی کے متعلق لکھتے ہیں:

> "خاکہ لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو آپ متعلقہ شخصیت سے عمر یا مرتبے میں سینئر یا کم از کم برابر ہوں۔ خاکہ لکھنے کے لئے ایک اور شرط ہوتی ہے کہ متعلقہ شخصیت سے دیرینہ تعلق اور پوری واقفیت اور بے تکلفی ہو اور آپ کو اس کے بطون میں جھانکنے کی توفیق اور موقع ملا ہو۔ اگرچہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس شخص سے آپ کے دیرینہ اور قریبی تعلقات ہیں، آپ کے بارے میں صحیح معلومات بھی رکھتے ہوں پھر بھی نہ جاننے سے تھوڑا جاننا بہتر ہے" [۸]

اگر دیکھا جائے تو ایک عمدہ خاکے کی خوبی یہ ہے کہ زیرِ قلم شخصیت کی وضع قطع، تراش خراش، چال ڈھال، لباس، نشت و برخاست، بعام و قیام، پسند ناپسند بیان کرنے کے علاوہ اس کی عادات و اطوار اور کارہائے نمایاں اس طرح بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ شخصیت قاری کی نظروں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ خاکے میں ہم اُس شخص کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی کمزوریوں سے بھی واقف ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر خاکہ نویس کا قلم بے ساختہ اور شگفتہ ہے تو زیرِ عنوان شخصیت کا حال حقیقی زندگی سے قریب رہ کر بڑے سلیقے کے ساتھ بے کم و کاست بیان کرتا ہے۔

جب ہم خاکہ نویسی کی تاریخ و روایت کا جائزہ لیتے ہوئے منشا یاد کی خاکہ نویسی تک پہنچتے ہیں تو وہ تمام تر خوبیاں ہمیں منشا یاد کے ہاں نظر آتی ہیں جو خاکہ لکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ وہ خاکہ لکھتے ہوئے شخصیت کے تمام پہلوؤں کا جامع انداز میں خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے دوستوں کا ذکر کرتے ہیں۔ خوبیاں اور خامیاں مثبت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں اردو ادب کی مختلف اصناف کے حوالے سے اپنا اظہار بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنی خاکہ نگاری میں قوتِ مشاہدہ، ماضی کے واقعات کو یاد کر کے پیش کرنے کا ڈھنگ اور ان سب واقعات کو ایک لڑی میں پرو کر خوبصورت بنانے کا خاص سلیقہ بھی رکھتا ہے۔ دراصل جدید خاکہ نگاری مختصر افسانے سے بہت قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مقبول افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب خاکہ نگار بھی شمار ہوتا ہے۔

سید ضیا جالندھری کا خاکہ "باتوں سے خوشبو آئے" میں ہر پہلو پہ خوب لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ لکھنے کے لئے مواد جمع کرنے کی کہانی، دوستوں کی باتیں کرتے ہوئے سید ضیا جالندھری کی شخصیت کا مکمل احاطہ کر کے پیش کر دیتے ہیں لکھتے ہیں:

> "دراصل میں صرف رسمی خاکہ نہیں لکھنا چاہتا تھا کیوں کہ یہ تو کسی شخصیت کی آؤٹ لائنز ہوتی ہیں اور میں محض آؤٹ لائنز یا نقشہ بنانا نہیں چاہتا بلکہ شاندار عمارت تعمیر کرنے کی خواہش رکھتا تھا مگر کوشش کے باوجود اب تک کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایک تو وہ مجھ سے بہت سینئر ہیں پھر میری ان سے بے تکلفی نہیں ہے۔ میں نے اُنہیں زیادہ تر حلقے، رابطے اور دوسری ادبی محفلوں میں دیکھا یا پھر کبھی کبھار کسی مشترکہ دوست ادیب یا شاعر کی آمد پر ان کے یا میرے ہاں کسی ادبی نشست میں گفتگو سُننے کا موقع ملتا رہا۔" [۹]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

یہ بات درست ہے کہ شخصیت کی تصویر کشی کرنا بڑا مشکل فن ہے کوئی شخص خاکہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں شخصیت کی تصویر کشی اپنے اصلی رنگ وروپ میں نظر نہ آئے۔ شاملِ خاکہ شخصیت کی خوبیوں یا خامیوں کی پردہ داری کی کوشش خود خاکہ نگار کی نااہلیت کی پردہ دار بن جاتی ہے۔ ایک اچھا خاکہ وہی ہوتا ہے جس میں شخصیت کو اسی رنگ میں پیش کیا جائے جو اس کا خاصہ ہے۔ اسے صرف فرشتہ یا پھر صرف شیطان بنا کر پیش نہیں کرنا چاہئے۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو صرف اچھے یا فقط برے ہوں۔ دوسرا زمانے کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اچھائی اور برائی کا مفہوم بھی بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے خاکہ نگار کو خاکہ نویسی کرتے وقت اپنے قائم کردہ اچھائی اور برائی کے معیار کو سامنے نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اصل حقیقت کو پیش کرنا چاہئے منشایاد، خاکہ لکھنے بیٹھتے ہیں تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں کا خوب خیال رکھتے ہیں۔ ان کا لکھا خاکہ پڑھتے ہوئے جہاں شخصیت اپنے تمام خدوخال کے ساتھ قاری کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے وہاں منشایاد خود بھی ہمارے سامنے آ بیٹھتے ہیں۔ خاکہ پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے ہم منشایاد کی آپ بیتی پڑھ رہے ہوں۔ دوست کی خوبیاں اور خامیاں پیش کرتے ہوئے خود کو بھی شامل خاکہ کر لیتے ہیں یوں ہمیں منشایاد کا اپنا خاکہ بھی پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ وقار بن الٰہی کا خاکہ "عداوت ہی سہی" میں لکھتے ہیں:

> "اور میں نے اُنہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے سے کس طرح باز رکھا ہے۔ تب یہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ پہلے تو تقریر فرما کر مجھ سے شاعری چُھڑوائی۔ میں ان دنوں ماشاءاللہ اچھی بھلی نظمیں غزلیں گھڑ لیتا تھا۔ یہ فرماتے کہ گھڑا خواہ تمہاری طرح کتنا ہی چکنا کیوں ہو، اس میں جتنے زیادہ سوراخ ہوں گے اتنی جلدی خالی ہو جائے گا۔ تم صرف افسانہ لکھنے پر قناعت کرو اور جب میں نے سچ مچ شاعری چھوڑ دی یا شاعری نے مجھے چھوڑ دیا تو یہ میرے امتحانوں کے پیچھے پڑ گئے۔" [۱۰]

"خوشبو کی طرح پذیرائی" کے عنوان سے مقبول اکیڈمی والے ناشر، ملک مقبول احمد کی خود نوشت سوانح عمری "سفر جاری ہے" پر سیر حاصل جائزے کے ساتھ ان کی شخصیت کے نمایاں خدوخال کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اس کتاب میں ملک مقبول احمد کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ساتھ ایک پبلشر کے طور پر مُصنفین سے متعلق معاملات و مسائل اور تجربات کا بھی بیان ہوا ہے۔ "سفر جاری ہے" کی مقبولیت کی بناء پر نئے پرانے سبھی تبصرے، مضامین اور خطوط الفبائی ترتیب کے ساتھ ایک اور کتاب "پذیرائی" میں اکھٹے کر دیئے گئے ہیں۔ "عالم چنا شہرِ ادب کا" کے عنوان سے شاعر و انشائیہ نگار، اکبر حمیدی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ "ہمدم دیرینہ" کے عنوان سے افسانہ نگار رشید امجد کے ساتھ تعلقات اور تاثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ "کالم کاری کا جن" کے عنوان سے مضمون میں عطاء الحق قاسمی کی شخصیت و فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔

منشایاد، ڈاکٹر اقبال آفاقی پہ خاکہ لکھتے ہیں تو ان کے ساتھ تعلقات، اُن کی شخصیت کے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اُن کی تنقید اور تنقید پر کتابوں اور تنقیدی نظریات کو بھی زیرِ بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ٹکڑا جانا اور ٹکر مار دینا اقبال آفاقی کی شخصیت کی بنیادی خصوصیت ہے۔ سڑک ہو یا حلقہ اربابِ ذوق کی علمی، ادبی یا نظریاتی بحث، دوسرے لاکھ بچنے کی کوشش کریں، ان کی کسی نہ کسی سے ٹکر ضرور ہو جائے گی۔ اس میں رائٹ اور رانگ سائیڈ کی تخصیص نہیں کیونکہ انہوں نے بحث کی پوری سڑک گھیری ہوئی ہوتی ہے۔ کسی ادبی تخلیق پر تنقید کرتے ہوئے نہایت بے دردی سے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں گے اور ہٹ ہٹ کرا تنی ٹکریں ماریں گے کہ تخلیق ریزہ ریزہ اور صاحبِ تخلیق کرچی کرچی ہو جائے گا۔ تاہم جب آنکھیں ماتھے سے اپنی جگہ واپس آئیں اور کھلیں گی تو یہ ضرور پوچھیں گے کہ بھائی زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔ اور ہاں ایک بہت اچھی بات یہ ہے کہ

ہمیشہ سامنے سے ٹکر مارتے ہیں چپکے سے پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپتے۔ پہلے بتا دیتے ہیں کہ میں لگا ہوں چھرا گھونپنے، مُنہ ادھر ہی رکھنا، ناحق چھرے کو دیکھ کر تمہیں ہول آئے گا۔"[۱۱]

سلمان باسط کی خاکوں پر مشتمل کتاب "خاکی خاکے" کی تعارفی تقریب میں پڑھا جانے والا مضمون "اسلام آباد میں واہ" تو بے حد ہی پسند کیا گیا۔ نہایت ہی شگفتہ انداز میں تنقید نے اُن کی شخصیت کے ساتھ ساتھ کتاب کی اہمیت بھی واضح کر دی ہے کہ جسے پڑھ کر بے اختیار ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔ خاکوں اور یادوں کے مجموعے "میری محبتیں" کے خالق شاعر، افسانہ وانشائیہ نگار حیدر قریشی ہیں۔ خاکوں پر مشتمل اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصہ "اول خویش" کے عنوان سے ہے جس میں اپنے عزیزوں کے دس اور دوسرے حصے میں بھی "بعد درویش" کے عنوان سے ادیبوں اور دوستوں کے اتنے ہی خاکے شامل ہیں۔ خاکوں کے اس مجموعے کو منشایاد نے بہت سراہا ہے۔ اسے خوبصورت، خیال انگیز اور خاکہ نگاری کے فن میں ایک اہم اضافہ قرار دیا ہے۔ "رنگ رنگ کے رنگ" کے عنوان سے افسانہ نگار محمد حمید شاہد کے فن کے ساتھ ان کے دوسرے افسانوی مجموعے "جہنم جہنم" پر تبصرہ شامل ہے۔ "وِرک کاوَرک" کے عنوان سے انشائیہ اور مزاح نگار اشفاق احمد ورک کی دوسری کتاب "ذاتیات" کی تعارفی تقریب میں پڑھا جانے والا مضمون ہے جس میں منشایاد نے گوجرانوالہ اور شیخوپورہ میں پائے جانے والے ادیبوں شاعروں اور مزاح نگاروں کا تقابل بقول اکبر حمیدی کے، بیان کیا ہے اور اس تقابل کے بعد اشفاق احمد ورک کی پہلی کتاب "قلمی دشمنی" اور "ذاتیات" کا جائزہ پیش کرتے ہوئے انہیں اردو طنز و مزاح کا ہرن مینار قرار دیا ہے۔

"کلام نرم نازک" کے عنوان سے تیرہ نامور شعراء کی شخصیات اور ان کی شاعری کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ "شاعر خوش کلام" کے عنوان سے احمد فراز کی اور "ریگِ دشتِ فراق" کے عنوان سے امجد اسلام امجد کی شاعری کا تجزیہ نہایت مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔ "خوشبو جو بکھر گئی" کے عنوان سے پروین شاکر اور "عرض ہنر سے کہیں آگے" کے عنوان سے جلیل عالی کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ "سبحان تیری قدرت" کے عنوان سے سید یٰسین قدرت کی شاعرانہ خوبیوں اور خامیوں کا دلچسپ انداز میں تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس طرح کا ایماندارانہ تجزیہ شاعر کو رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ کچھ اشعار ایسے ہیں جن میں کچے پن کا احساس ہوتا ہے۔ کتابت کی بھی خاصی غلطیاں ہیں جن کی منشایاد نے تفصیل بھی دی ہے۔ "نرم دم گفتگو" کے عنوان سے انوار فیروز کی شاعرانہ حیثیت پر تاثرات بیان ہوئے انکی کتاب "سمندر مضطرب ہیں" کا حوالہ بھی شامل کر دیا ہے۔ احسان اکبر کے شعری مجموعے "ہوا سے بات" کا ایک تاثر بھی مضمون کا حصہ ہے۔ "ایک اور ہیرا پھیری" کے عنوان سے سرفراز شاہد کی شاعری اور ان کے چار شعری مجموعوں (بلا تکلف، کچھ تو کہیے، ہیرا پھیری، چوکے اور کلیات ڈش انٹینا) پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ سرفراز شاہد منشایاد کے اُس دور کے دوست ہیں جب منشایاد خود شاعری کیا کرتے تھے۔ سرفراز شاہد کا مزاحیہ شاعری میں ایک نمایاں مقام ہے۔ وہ اپنی شاعری میں طنز و مزاح کے ساتھ طنز و ظرافت کے سارے حربے استعمال کرتے ہیں۔ مزاحیہ صورت واقعہ، مزاحیہ کردار اور تحریف و پیروڈی ان کی شاعری کو ایک کامیاب مزاح گو شاعر کی خوبیاں عطا کرتی ہیں۔ "ثاقبہ کے جی کا نور" کے عنوان سے ثاقبہ رحیم الدین کی شاعری کی کتاب "جی کا نور" پر تاثرات شاملِ مضمون ہیں۔ "اظہار بھی مشکل ہے" کے عنوان سے محمد اظہار الحق کے چوتھے شاعری مجموعے "پانی پر بچھا تخت" کے تاثرات کے ساتھ ساتھ پہلے تین مجموعوں کی انفرادیت اور ان کی شاعرانہ حیثیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مضمون اسلام آباد میں اظہار الحق کے اعزاز میں ہونے والی ایک تقریب میں پڑھا گیا تھا۔ "سُخن اس کے ستارے ہیں" کے عنوان سے نوجوان شاعرہ عائشہ مسعود کی کتاب کی تقریب پذیرائی میں پڑھا گیا۔ جو کتاب کے بارے میں کم اور دعوت نامے کے بارے میں زیادہ ہے۔ کتاب کی تقریب پذیرائی میں چھپنے والے کارڈ کو نشانۂ تضحیک بنایا گیا ہے۔ جس سے خاصی دلچسپ صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ "کچھ بچا ہی لائے" کے عنوان سے اختر عثمان کی غزلوں سے ۱۹۹۵ء تک کے انتخابات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

منشایاد کے بھانجے خلیق الرحمٰن نظم گو شاعر کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ "کنول جھیل کا گیت" کے عنوان سے ۲۰۰۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔یہ مضمون اسی کتاب پر ایک تاثر کی صورت میں دیباچے میں بھی آیا ہے۔خلیق الرحمٰن کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے منشایاد لکھتے ہیں:

"اس کی نظمیں گھر اور حلقے میں بے توجہی سے سُنتا رہا۔۔۔انہیں کتاب کے مسودے کی صورت میں یکجا پڑھا تو۔۔۔لگا میری اپنی سوکھی جڑ ہری ہوگئی۔میرے ہی وجود کی شاخ سے کوئی کونپل نکل آئی۔میرے آنگن میں دور تک پھیل جانے،درختوں اور بالکنیوں پر چڑھ جانے اور دیواروں سے چمٹ جانے والی ہری بھری بیلیں تو بہت تھیں مگر شعر و ادب کا پھول ایک ہی کو لگا۔" [۱۲]

"انشائیے" کے عنوان سے دو مضمون شامل ہیں۔پہلا مضمون "تین میں بھی تیرہ میں بھی" کے عنوان سے انشائیہ نگار جمیل آذر کے فن پر ہے۔اس مضمون میں منشایاد نے جمیل آذر کو اردو انشائیہ کے بانی، بہترین انشائیہ نگار ڈاکٹر وزیر آغا کے بعد پاکستان کے تین بڑے انشائیہ نگاروں میں شمار کیا ہے۔دوسرا مضمون "جھاڑیاں اور جگنو" کے عنوان سے اکبر حمیدی کے انشائیوں کے مجموعے پر ایک تاثر کی صورت میں ہے۔اس کتاب میں شامل اکبر حمیدی پر یہ دوسرا مضمون ہے۔

"سفر نامہ" کے عنوان سے تین سفر ناموں پر یہ مضامین تاثرات کی صورت میں ہیں۔پہلا مضمون "چل نئی پری کے دیس" کے عنوان سے جمیل یوسف کے سفر ناموں کی کتاب "جل پری کے دیس میں" ۲۰۰۹ء پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔منشایاد نے اس سفر نامے کو ایک اچھا، کامیاب اور معیاری سفر نامہ قرار دیا ہے۔دوسرا مضمون "چلو چین چلیں" کے عنوان سے ریاض الرحمٰن ساغر کا لکھا ہوا پہلا منظوم سفر نامہ ہے۔جو ان کی شاعرانہ قادرالکلامی اور فن شاعری پر غیر معمولی دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔منشایاد نے اس سفر نامے کو بہت سراہا ہے۔تیسرا مضمون "ٹپر واسنی" کے عنوان سے پروین عاطف کے سفر ناموں کے دوسرے مجموعے پر ہے۔پہلا مجموعہ "تتلی کرن بگولے" کے عنوان سے سامنے آیا تھا۔دوسرا مجموعہ "ٹپر واسنی" کے عنوان سے سفر نامہ پانچ ملکوں کے سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔اردو ادب میں خواتین سفر نامہ نگاروں میں بیگم اختر ریاض الدین کے بعد پروین عاطف کے سفر نامے بہترین سمجھے جاتے ہیں۔

"کالم والم" کے عنوان سے کالم نگار فریدہ حفیظ کے کالموں کی تاریخی حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے، "ادبی کالمات" کے عنوان سے مضمون شامل ہے۔

اس کتاب میں شامل مضمون کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ نکالنا آسان ہو جاتا ہے کہ منشایاد صرف اپنے تخلیقی مزاج اور ہم آہنگ اصناف پر ہی لکھنے پر قادر نہیں ہیں بلکہ ان کا وسیع مطالعہ اور ناقدانہ صلاحیتیں تمام اصنافِ سخن کو پرکھنے کی بہترین صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔"منشایئے" کے دیباچے میں منشایاد لکھتے ہیں:

"فی الحال میں نے دو مجموعے مرتب کئے ہیں ایک یہی "حسبِ منشا" جس میں کچھ تعزیتی اور کچھ شگفتہ مضامین شامل ہیں اور دوسرا "کچھ فکشن میرے عہد کا" جس میں سارے مضامین اور تبصرے فکشن اور فکشن نگاروں کے متعلق ہیں۔اس کے بعد بھی میرے پاس دو تین مجموعوں کا مواد بچ جائے گا جسے میں بشرطِ زندگی اور فرصت جلد ہی کتابی صورت میں مرتب کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"[۱۳]

منشایاد کی اردو ادب میں پہچان کا بنیادی حوالہ افسانہ نگاری ہے اور یہ بات مُسلمہ ہے۔مگر ان کے اس مجموعے "منشایئے" میں شامل مضامین اور وقتاً فوقتاً رسائل میں چھپنے اور حلقے میں پڑھے جانے والے مضامین کی اہمیت بھی مُسلمہ ہے۔منشایاد کی یہ تحریریں ایک مکمل مضمون کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کا مطالعہ بطور ایک مکمل مضمون کے کیا جاسکتا ہے۔شاعری سے ابتداء اور طبع آزمائی کے بعد افسانے کو شعوری طور پر اپنی ادبی پہچان بنانے والے ہمہ جہت ادیب نے افسانہ و ناول نگاری کے علاوہ ڈرامہ نگاری، مزاحیہ نگاری، تاثراتی تنقید، انشائیے، خاکہ نگاری اور مضمون نگاری میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور یہ ثابت کیا کہ ان کا قلم ادب کی ہر اُس صنف پر مکمل دسترس رکھتا ہے جو ادب کی روایت میں مکمل اہمیت کی حامل ہیں۔

منشایاد کی لکھی تحریروں میں اُس کا اپنا عہد بولتا نظر آتا ہے، چاہے وہ اُن کے لکھے افسانے، ناول، ڈرامے یا خاکے ہوں۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے جہاں زمانے کے بھید کھولتے ہیں وہاں اپنی ذات کے اندر چھپے بھید بھاؤ کا بھی پتہ دیتے ہیں اور خاکہ لکھتے ہوئے جہاں اُس شخصیت کے خدوخال نمایاں کرتے ہیں وہاں خود اپنی ذات کے خدوخال بھی نمایاں کرتے جاتے ہیں۔ بلاشُبہ منشایاد اپنے عہد کا ایک بڑا افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کا نباض بھی تھا۔ جہاں وہ اپنے عہد کی بات افسانے میں نہ کہہ سکا وہاں اُس نے بات کے اظہار کے لیے ادب کی دوسری اصناف کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا اور یوں وہ ہر صنف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایک کامیاب ادیب کے منصب پر فائز ہوا۔

حوالہ جات

(۱) محمد حمید شاہد "یاد اُس کی جو سرا پہ یاد ہے" ،اسلام آباد: روزنامہ وائس آف پاکستان ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۲ء

(۲) رشید امجد "عاشقی صبر طلب" ،سانجھ پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۵ء ص: ۵۹٤

(۳) منشایاد، منشایئے میں شامل مضمون سے اقتباس، مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ۱۱

(٤) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ۱۷

(٥) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ٥٤، ٥٥

(٦) عبدالعزیز بلوچ، "ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا" گلگشت کالونی، شیخ ایوب ملتان ۲۰۱۷ء

(۷) محمد طفیل، "مجبی" ادارہ فروغِ اردو لاہور ۱۹۷۹ء ص: ۸

(۸) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ۱٤۷

(۹) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ۱٤٦

(۱۰) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ۱۸٤

(۱۱) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: ۲۰۷

(12) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور ۲۰۱۱ء ص: 336

(13) منشایاد، "منشایئے" مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہورر ۲۰۱۱ء ص: 12